جناب اوریا مقبول جان

ملالہ یوسفزئی اور عبیر قاسم حمزہ الجنابی

جب تک ملالہ نوبل انعام کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی اس ملک کے میڈیا میں ایک شور برپا تھا۔ ''ہمارا سر فخر سے بلند ہے' پاکستان کو عزت مل رہی ہے' ایک بچی جس کی جدوجہد علم کے لئے تھی جو خواتین کے حقوق کی پاسداری کے لئے نکلی تھی اور آج پوری دنیا میں ہمارے ملک کا نام روشن کر رہی ہے۔ پوری دنیا اس کی جرات کو سلام کر رہی ہے' اس کے مشن کو جاری رکھنے اور تعلیم کو عام کرنے کیلئے سرمایہ دے رہی ہے۔'' اس ملک کے ''عظیم'' اور ''باشعور'' دانشوروں کے یہ نعرے میرے کانوں میں گونجتے تھے اور میں سوچتا تھا کہ وہ امن کا نوبل انعام جسے یہ قوم عزت کا تاج سمجھ رہی ہے' کیسے کیسے ظالموں' قاتلوں اور انسانیت کے دشمنوں کے سر پر سجتا رہا ہے۔

ملالہ کا سب سے بڑا وکیل گورڈن براؤن وہی ہے جس نے عراق پر حملہ کرنے کیلئے برطانوی پارلیمنٹ میں نہ صرف ووٹ دیا تھا بلکہ دھواں دار تقریر بھی کی تھی۔ عراق پر وہ جنگ مسلط کی گئی جس نے لاکھوں لوگوں سے صرف تعلیم کا ہی نہیں بلکہ زندگی کا حق بھی چھین لیا۔ عورتوں کے حقوق کے عالمی چیمپئن وہ ہیں جن کے ہاتھ مظلوم عورتوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں اور سروں میں عورتوں کی عزتوں سے کھیلنے کی ہوس رچی ہوئی ہیں۔

12 مارچ 2006ء کو ملالہ کی ہم عمر چودہ سالہ عبیر قاسم حمزہ جو عراق کے چھوٹے سے قصبے المحمدیہ میں رہتی تھی' اس پر کیا بیتی؟ دل تھام کر پڑھیئے: عبیر کا والد قاسم حمزہ رحیم اور ماں فخریہ طہٰ محسن اپنی اسی بیٹی عبیر' ۶ سالہ بیٹی حدیل' ۹ سالہ احمد اور ۱۱ سالہ محمد کے ساتھ اپنے گھر میں خوش وخرم رہ رہے تھے۔ عبیر کو اس کے والدین بہت کم گھر سے باہر جانے دیتے کہ سامنے گورڈن براؤن کے جمہوری ووٹ سے شروع ہونے والی عراق جنگ کے سپاہیوں کی چیک پوسٹ تھی' جس پر چھ سپاہی پاؤل کورٹز' جیمز بارک' جیسی سپل مین' برائن ہاروورڈ' سٹیون گرین اور انتھونی ڈی ایب موجود تھے۔ جب کبھی یہ بچی باہر نکلتی تو وہ ایسے چھیڑتے اور وہ گھبرا کر اندر بھاگ جاتی۔ ایک دن یہ ان کے گھر گھسے' تلاشی لی اور عبیر کی گال پر سٹیون گرین نے انگلی پھیری جس نے سارے گھر کو خوفزدہ کر دیا۔

جب کبھی وہ اپنے والدین کے ساتھ باہر نکلتی' وہ اس کے طرف دیکھ کر غلیظ اشارہ کرتے ہوئے ویری گڈ کہتے۔ 12 مارچ 2006ء کی صبح وہ شراب پینے میں مشغول تھے کہ عبیر کے دونوں بھائی سکول کے لئے روانہ ہوئے۔ عبیر کو اس لئے سکول سے اٹھالیا گیا تھا کہ والدین ان سپاہیوں سے خوفزدہ تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ مکان میں داخل

ہوئے انہوں نے ماں باپ اور چھوٹی بہن کو ایک کمرے میں بند کیا اور عبیر کو دوسرے کمرے میں۔

سٹیون گرین نے اس کے ماں باپ اور چھوٹی بہن کو ایک کمرے میں لے جا کر قتل کر دیا اور دوسرے کمرے میں باقی دو سپاہی اس چودہ سالہ بچی سے زیادتی کرتے رہے۔ اس کے بعد گرین کی آواز آئی' میں نے انہیں قتل کر دیا اور پھر وہ بھی عبیر پر پل پڑا۔ اس کے بعد ان سپاہیوں نے اس کے سر پر گولی مار کر قتل کر دیا۔ جاتے ہوئے ایک سپاہی نے اس کے زیر جامے کو لائٹر سے آگ دکھائی اور کمرے میں پھینک دیا۔ گھر سے دھواں نکلا تو پڑوسی دوڑے ہوئے آئے اور انہوں نے جس حالت میں اس مظلوم چودہ سالہ بچی کو دیکھا وہ ناقابل بیان ہے۔ میں نے جب یہ واقعہ پڑھا اور چودہ سالہ عبیر قاسم حمزہ الجنابی کی تصویر دیکھی تو کئی راتیں بے چینی اور اضطراب سے سو نہ سکا تھا۔

نوبل پرائز دینے والوں اور ملالہ یوسفزئی کی وکالت کرنے والوں کے ہاتھ عبیر جیسی بے شمار معصوم لڑکیوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں جو ان کے خوف سے گھروں سے نہیں نکلتی تھیں۔ جنہوں نے ان کی بدمعاش اور غلیظ نظروں کے خوف سے سکول جانا چھوڑ دیا تھا۔ عبیر تو ان کے خلاف کوئی ڈائری بھی تحریر نہیں کر رہی تھی جو دنیا کا کوئی بڑا چینل نشر کرتا۔ اس نے تو انہیں ظالم' تعلیم کے دشمن اور انسانیت کے قاتل بھی نہیں کہا تھا۔

اس کا والد کسی این جی او کا سربراہ یا کارپرداز نہیں تھا کہ اپنی بیٹی کو ان سپاہیوں کے خلاف اکساتا' اس کی ایک فرضی نام سے ڈائری لکھنے میں مدد کرتا اور پھر دنیا بھر میں داد سمیٹتا۔ عبیر تو اس ظلم کی وجہ سے سہم سی گئی تھی۔ اس کے زندہ بچ جانے والے بھائیوں نے بتایا کہ جس دن سٹیون گرین نے اس کے گال پر انگلی پھیری' ہمارے والد نے اسی دن اسے سکول سے اٹھا لیا تھا' وہ اس دن بہت روئی اسے گھر کے باہر لگی ہوئی سبزیوں کو پانی دینے اور دیکھ بھال کرنے کا بہت شوق تھا' لیکن اس دن کے بعد سے وہ بس کھڑکی سے انہیں دیکھتی رہتی۔

اس عالمی یا مقامی میڈیا میں کوئی ایسا شخص ہے جس کے سینے میں دل ہو' جس کے دل میں بیٹی کی محبت جاگتی ہو' جس کی آنکھ سے ظلم پر آنسو نکل آتے ہوں؟ وہ اٹھے اور کہے' آؤ ہم مل کر ایک اور امن انعام کا آغاز کرتے ہیں' ان بچوں کے لئے جو صابرہ وشطیلہ میں مارے گئے' ان مظلوموں کے لئے جو ٹینکوں تلے کچل دیئے گئے' ان قیدیوں کے لئے جن پر کتے چھوڑے گئے' ان بہنوں کے لئے جو ان درندوں کے ہاتھوں اس وقت تک درندگی کا شکار ہوتے رہے جب تک ان کا سانس باقی تھا' عبیر کے لئے جس سے اس کا سکول چھوٹ گیا' جس کے لئے گھر سے نکلنا عذاب ہو گیا۔

لیکن ہم بے حس ہیں' نوبل انعام کی چکاچوند نے ہماری غیرت کے بچے کھچے گھروندے کو بھی ملیامیٹ کر دیا ہے' اٹھارہ کروڑ قوم نے ایک مغربی چینل کے پروگرام میں اپنی اس ہونہار بیٹی کا یہ فقرہ کیسے سن لیا کہ ہم

عورتیں وہاں قیدیوں کی طرح ہیں' وہاں مارکیٹ نہیں جا سکتیں۔

کراچی سے پشاور اور گوادر سے گلگت تک کیا پاکستان یہ ہے کہ جس کی تصویر ملالہ نے اس پروگرام میں پیش کی؟ اس نے کہا ایسے لگتا تھا جیسے ہم جیل میں ہیں۔ میں نے بلوچستان کے دور دراز گاؤں سے لے کر لاہور' کراچی' پشاور اور چھوٹے چھوٹے قصبوں تک عورتوں کو ہر موڑ اور ہر مقام پر دیکھا ہے۔ کھیتوں اور کھلیانوں میں' دفتروں اور فیکٹریوں میں' بازاروں اور ہوٹلوں میں' کیا یہ ہے ملالہ کا قید خانہ؟ کیا یہ کالک ہے جو وہ اس قوم کے منہ پر مل کر نوبل انعام کی سیڑھی پر چڑھنا چاہتی ہے؟ اس قوم کا ہر دانشور' مفکر اور اینکر پرسن عوام کو خوشخبری سناتا ہے' اسے پاکستان کا وقار بلند ہونے کی نوید قرار دیتا ہے۔

ملالہ نوبل امن انعام حاصل کرنے والوں کی صف میں ہی ٹھیک تھی' جس میں اسرائیل کے تین قاتل وزرائے اعظم بیگن اسحاق رابین اور شمعون پیرس بھی کھڑے ہیں۔ نوبل انعام لیتے ہوئے ان کے ہاتھ ہزاروں معصوم فلسطینیوں کے خون سے رنگ ہوئے تھے۔ اس فہرست میں ڈرون حملوں سے معصوموں کی جانیں لینے والا بارک اوباما اور مسلم امہ کا سب سے بڑا دشمن ہنری کسنجر بھی کھڑا ہے۔

یہ غیرت کے سودے ہوتے ہیں جو غیرت مند قوموں کے غیرت مند افراد کیا کرتے ہیں کہ ایسے امن انعامات پر لعنت بھیج دیتے ہیں__ ویت نام کا لیڈر لودیتھو امریکہ سے امن مذاکرات کر رہا تھا جب اسے ہنری کسنجر کے ساتھ امن کا انعام دیا گیا تو اس نے انکار کر دیا۔ ژاں پال سارتر کو ادب کا نوبل انعام دیا گیا تو اس نے بھی یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ مجھے اپنے نام کے ساتھ نوبل انعام یافتہ لکھ کر اپنے ساتھ گھٹیا مذاق نہیں کرنا۔ پاکستان کی ایک مسلمان بیٹی کو مغرب کے قاتل حکمران ہمارے منہ پر کالک ملنے کیلئے استعمال کرتے رہے' اس کے سر پر ایسے ہاتھ امن کا تاج پہنانا چاہتے تھے جن پر عبیر قاسم جیسی کئی مسلمان بچیوں کا خون لگا ہوا ہے۔ یہ بچیاں جنہیں ان ظالموں کے خوف سے گھروں میں قید ہونا پڑا' ان کا سکول چھوٹ گیا' وہ گھروں میں قید ہو گئیں لیکن پھر بھی وہ ان کی ہوس سے اپنی عفت بچا سکیں نہ زندگی۔

■ ■ ■